OPEN ACCESS

Kashf Journal of Multidisciplinary Research
Vol: 02 - Issue 04 (2025)
P-ISSN: 3007-1992 E-ISSN: 3007-200X
https://kjmr.com.pk

An Analytical Study of Short Story 'Maulvi Sahib Ki Daak' in the Context of Gender Equality

Dr. Ghulam Farida

Post-doc Fellow, Islamic Research Institute, Islamabad

Corresponding author: Dr. Ghulam Farida(ghulam.farida@iiu.edu.pk)

Article Info

This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) license https://creativecommons.org/licenses/by/4.0

Abstract

This article presents an analytical study of Semeen Kiran's short story "Maulvi Sahab Ki Daak" in the context of gender equality. The story highlights the roots of the patriarchal system, where women's voices are suppressed, and their desires are ignored. The character of Maulvi Sahab symbolizes male dominance, dismissing women's identity and emotions as insignificant. The article sheds light on how Semeen Kiran, through this story, reflects a woman's inner suffering and societal oppression. The metaphor of the mail (daak) represents the unfulfilled desires and messages of women, which fail to reach their destination due to patriarchal barriers. This article explores the deep roots of gender inequality and its consequences, advocating for the recognition of women's voices and identities on both social and literary platforms.

Keywords:

Semeen Kiran, Maulvi sahib ki daak, feminism, gender equality, short story

صنفی مساوات نہ صرف بنیادی انسانی حق ہے بلکہ ایک پرامن، خوشحال اور پائیدار معاشرے کے قیام کا لازمی جزو بھی ہے۔ مساوات کا یہ تصور دنیا کے کسی ایک خطے ،علاقے یا قوم کے حوالے سے مخصوص نہیں ہے۔اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ خواتین چونکہ دنیا کی مجموعی آبادی کا نصف ہیں اس لیے پائیدار ترقی کے لیے ان کی نمائندگی کو ہر شعبۂ زندگی میں مساوی شمار کیا جانا چاہیے۔تاہم صنفی عدم مساوات کم و بیش ہر معاشرے میں موجود ہے اور یہ مجموعی سماجی ترقی میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ بالخصوص ترقی پذیر اور پسماندہ معاشروں میں یہ عدم مساوات زیادہ واضح اور وسیع پیمانے پر نظر آتی ہے۔ غربت میں کمی سے لے کر صحت، تعلیم، تحفظ اور لڑکیوں کی فلاح و بہبود کے لیے صنفی مساوات کو آگے بڑھانا صحت مند معاشرے کے تمام شعبوں کے لیے اہم ہے۔

یونیسکو کے مطابق صنفی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ مرد اور خواتین کو اپنے مکمل انسانی حقوق کا ادراک حاصل ہونا چاہیے۔ انھیں معاشی، سماجی، ثقافتی اور سیاسی ترقی میں حصہ ڈالنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے یکساں شرائط پر کام کرنا چاہیے۔اس لیے صنفی مساوات معاشرے کی طرف سے مردوں اور عورتوں کی باہم مماثلتوں، ان کے مابین اشتراکات اور معاشرے میں ان کے کردار کی مساوی قدر ہے۔ یہ تصور خواتین اور مردوں کو اپنے خاندان، برادری اور معاشرے میں مکمل طور پر شراکت داری کی ترغیب دیتا ہے۔

پائیدار ترقی کے اہداف((SDGs عالمی اہداف کا ایسا مجموعہ ہیں، جنھیں 2015 میں اقوام متحدہ(UN) کے رکن ممالک نے 2030 کے ایجنڈا برائے پائیدار ترقی کے تحت اپنایا۔ان کا مقصد غربت، عدم مساوات، موسمیاتی تبدیلی، ماحولیاتی انحطاط، امن، اور انصاف جیسے عالمی چیلنجز سے نمٹنا ہے۔

صنفی مساوات کا تصور اقوام متحدہ کے پائیدار ترقی کے اہداف(SDGs) میں پانچویں نمبر پر موجود ہے۔اس(SDG) کے مقاصد درج ذیل ہیں:

- تمام خواتین اور لڑکیوں کے خلاف ہر جگہ اور ہر قسم کے امتیازی سلوک کو ختم کرنا۔
- عوامی اور نجی شعبوں میں تمام خواتین اور لڑکیوں کے خلاف ہر قسم کے تشدد کو ختم کرنا، بشمول اسمگلنگ، جنسی اور دیگر قسم کے استحصال۔
- تمام نقصان دہ طریقوں کو ختم کرنا، جیسے بچپن، کم عمری اور جبری شادیاں اور خواتین کے جنسی اعضا کو مسخ کرنا۔
- عوامی خدمات، بنیادی ڈھانچے اور سماجی تحفظ کی پالیسیوں کی فراہمی اور گھریلو اور خاندان کے اندر مشترکہ ذمہ داری کے فروغ کے ذریعے بلا معاوضہ دیکھ بھال اور گھریلو کام کو پہچاننا اور اس کی قدر کرنا۔
- سیاسی، معاشی اور عوامی زندگی میں فیصلہ سازی کی تمام سطحوں پر خواتین کی مکمل اور موثر شرکت اور قیادت کے مساوی مواقع کو یقینی بنانا۔
- جنسی اور تولیدی صحت اور تولیدی حقوق تک عالمی رسائی کو یقینی بنانا جیسا کہ آبادی اور ترقی پر بین الاقوامی کانفرنس کے پروگرام آف ایکشن اور بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن اور ان کی جائزہ کانفرنسوں کے نتائج کی دستاویزات کے مطابق اتفاق کیا گیا ہے۔
- خواتین کو معاشی وسائل کے مساوی حقوق دینے کے ساتھ ساتھ زمین اور جائیداد کی دیگر اقسام، مالیاتی خدمات، وراثت اور قدرتی وسائل پر ملکیت تک رسائی اور قومی قوانین کے مطابق حقوق دینے کے لیے اصلاحات کرنا۔
- خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے قابل بنانے والی ٹیکنالوجی، خاص طور پر انفارمیشن اور کمیونیکیشن ٹیکنالوجی کے استعمال کو بڑھانا۔
- بل نفاذ قانون سازی کو اپنانا اور مضبوط کرنا۔

اس تحقیقی مقالے میں سیمی کرن کے افسانہ "مولوی صاحب کی ڈاک "کا اقوام متحدہ کے پائیدار ترقی کے اہداف(SDGs) اور صنفی مساوات کے تناظر میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ سیمیں کرن معاصر اردو فکشن کا ایک اہم اور ابھرتا ہوا نام ہیں۔ ان کے تین افسانوی مجموعے اور ایک ناول شائع ہو کر علمی و ادبی حلقوں سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ وہ ایک پختہ اور بالغ سیاسی و سماجی شعور کی حامل افسانہ نگار ہیں، اس لیے ان کے افسانے معاشرتی شعور کو پیدا کرنے کا ایک اہم محرک بن سکتے

ہیں۔ مشرف عالم ذوقی ان کے افسانوی فن پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں "سیمیں کا قلم سمجھوتہ نہیں کرتا۔ وہ بے خوف اور بیباک ہو کر لکھتی ہیں اور موجودہ انتظامیہ یا سسٹم کی پرواہ نہیں کرتیں"(1)ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''شجر ممنوعہ کے تین پتے'' کے نام سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔ دوسرا افسانوی مجموعہ '' بات کہی نہیں گئی'' ۲۰۱۷ء میں اور تیسرا افسانوی مجموعہ ''مربعوں کی دائرہ کہانی'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ افسانہ "مولوی صاحب کی ڈاک" ان کے افسانوی مجموعہ "شجرِ ممنوعہ کے تین پتے" سے لیا گیا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد یہ دریافت کرنا ہے کہ یہ افسانہ صنفی مسائل پر معاشرتی نقطہ نظر کو تشکیل دینے میں کس طرح سے معاونت کر سکتا ہے۔ نیز یہ صنفی مساوات کو فروغ دینے کے لیے اقوام متحدہ کے مقرر کردہ اہداف SDGs سے مطابقت رکھتا ہے یا اس سے انحراف کرتا ہے۔

سیمی کرن کا یہ افسانہ معاشرتی ڈھانچوں میں عورت کی حیثیت اور اس کی آواز کی عدم موجودگی کو نمایاں کرتا ہے۔ مولوی صاحب کا کردار مردانہ بالادستی کی علامت ہے، جو عورت کی رائے، خواہشات اور احساسات کو نظرانداز کرتا ہے۔ ڈاک کا استعارہ عورت کی دبی ہوئی آواز اور پیغامات کی نمائندگی کرتا ہے، جو معاشرتی پابندیوں اور روایتی رکاوٹوں کے باعث کبھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتے۔ اس کہانی میں عورت کو ایک ایسے کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس کے جذبات کو نظرانداز کیا جاتا ہے، اور وہ اپنی شناخت کے اظہار کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ تانیثی نقطہ نظر سے یہ افسانہ ان خاموش آوازوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جنہیں معاشرہ سننے سے قاصر ہے۔ سیمیں کرن کے افسانوں کے تانیثی تناظر کے حوالے سے محمد عمر مونس لکھتے ہیں:

> '' سیمیں کرن نے اپنی کہانیوں میں معاشرے کی بدعنوانیوں، لوگوں کے دوہرے معیارات، اور خواتین کے حقوق کے لیے نہ صرف آواز اٹھائی ہے بلکہ مرد کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ عورت بھی شخصی آزادی کی اتنی ہی حق دار ہے جتنا کہ مرد۔ سیمیں کرن کے افکار اصلاحی ہیں اور انہوں نے معاشرے کے مسائل پر نہ صرف روشنی ڈالی ہے بلکہ اس کے خلاف آواز اٹھاتی بھی دکھائی دیتی ہیں۔''(2)

"مولوی صاحب کی ڈاک" ایک اہم افسانہ ہے، جس میں صنفی مساوات کی پیچیدگیوں اور سماجی توقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ کہانی دراصل ایک ایسا تنقیدی فریم ورک فراہم کرتی ہے جس کے ذریعے پدر سری معاشرے میں خواتین کی حیثیت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ افسانے میں معاشرتی عدم مساوات کا تصور خانگی صورت حال کے تناظر میں کیا گیا ہے۔ یہ مشرقی معاشرے کی کہانی ہے جس میں عورت ماں، بہو، بیٹی، بیوی جیسے بہت سے کردار نبھاتی نظر آتی ہے۔ باقی سب کرداروں میں وہ مکمل ہے لیکن بیوی کے کردار میں وہ ایک اچھی بیوی نہیں ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ باقی تمام ذمہ داریوں کو بطریقِ احسن نبھا رہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بیوی کی حیثیت سے اپنے فرائض کی بجاآوری میں کوتاہی کر رہی ہے؟ اس کا شوہر اس کی ذمہ داریوں میں حصہ ڈالنے کی بجائے اس سے جس قسم کی توقعات رکھتا ہے وہ اس کی پدر سری ذہنیت کا واضح اظہار یہ ہیں۔

یہ کہانی ایک روایتی اور قدامت پسند شخصیت مولوی صاحب کے گرد گھومتی ہے۔ جو ایک جریدے کے دفتر میں ملازمت کرتے ہیں اور لوگوں کے مختلف سماجی اور مذہبی مسائل کے حوالے سے خطوط کا جواب دیتے ہیں۔ مولوی صاحب کی شخصیت معاشرتی اقدار اور مذہبی رسومات پر سختی سے عمل پیرا نظر آتی ہے۔ کہانی میں ان کے رویے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خطوط کو فضول اور وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں تاہم معاشی ضروریات کے پیش نظر یہ ملازمت کرنے پر مجبور ہیں۔ اسی سبب سے انھیں خطوط کے جواب دینے پڑتے ہیں۔ تاہم کہانی میں وہ متعدد بار اس ناگواری کا اظہار کرتے ہیں۔ کہانی اس وقت واضح ہوتی ہے جب مولوی صاحب کو خطوط ڈاک کی صورت میں موصول ہوتے ہیں جو صنفی کردار اور معاشرے میں خواتین کے مقام کے بارے میں ان کے پہلے سے موجود تصورات کو چیلنج کرتے ہیں۔ ان خطوط کے ذریعے کہانی خواتین کے استحصال اور ان کی اپنے حقوق کے دفاع کے لیے کی جانے والی جدوجہد کو اجاگر کرتی ہے، جو سخت معاشرتی توقعات، تعلیمی اور معاشی پابندیوں اور اظہار رائے سے محروم ہیں۔

افسانے میں پدر سری معاشرے میں صنفی کردار کو واضح کیا گیا ہے۔ کہانی کے منظر نامے میں تین کردار سامنے آتے ہیں۔ مولوی صاحب، آفس بوائے اور ایڈیٹر ،تینوں مرد کردار صنفی عدم مساوات کو ظاہر کرتے ہیں۔ افسانے میں دو غائب کردار بھی موجود ہیں۔ ایک وہ مرد ہے جس کا خط مولوی صاحب کو موصول ہوتا ہے اور وہ ایک عورت کے متعلق مولوی صاحب کی آرا کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ باقی تین خطوط اس خاتون کے ہیں جس کے متعلق مولوی صاحب رائے دیتے ہیں۔ کرداری حوالے سے دیکھا جائے تو مرد کرداروں کے مقابلے میں ایک خاتون کردار ہے۔

مرکزی کردار مولوی صاحب کا ہے جو کہانی کی ابتدا سے اختتام تک ہر منظر میں موجود نظر آتا ہے۔ دوسرا اہم کردار اس شخص کا ہے جو مولوی صاحب کو خط لکھتا ہے۔ یہ دونوں کردار رجعت پسند ہیں۔ انھیں روایتی ثقافتی کردار کہا جا سکتا ہے جو معاشرتی طور پر مردانہ حاکمیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ کہانی کے دیگر ذیلی کردار بھی مرد کردار ہی ہیں۔ ان میں سے ایک آفس بوائے کا کردار ہے جو کہانی میں صرف تین چار بار سامنے آتا ہے۔ اس کے مکالموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے خواتین سے کوئی ہمدردی نہیں ہے وہ خواتین کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر چٹخارے لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان خطوط میں بیان ہونے والے صنفی مسائل اس کے لیے ذہنی تسکین کا باعث بنتے ہیں۔ اس لیے کہیں نہ کہیں یہ کردار سادیت پسند (Sadist) ہے۔ چوتھا کردار ایڈیٹر کا ہے۔ یہ معاشی ادارے کا نمائندہ کردار ہے۔ صنفی عدم مساوات اور اس کے تدارک کے لیے کچھ کرنا اس کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے لیے تو اس نوع کے مسائل صرف رسالے کی شہرت کو بڑھانے کا باعث ہیں۔ آفس بوائے کا مولوی صاحب سے مکالمہ ملاحظہ ہو:

> ”ان کا آفس بوائے ان کی بڑبڑاہٹ پر ہنسا: ”ارے مولوی صاحب آپ کیوں خفا ہوتے ہیں؟ آخر اسی کام کے تو آپ کو دام و شہرت دونوں مل رہے ہیں آپ تو دعا کیجیے کہ لوگ آپ کو مزید مسائل میں گھر کو خوب سوال بھیجیں۔“(3)

افسانے میں صنفی عدم مساوات کا اظہار مرد اور عورت دونوں کی زبانی ظاہر ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کو ایک ایسے کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو کسی بھی صورت حال یا واقعے کا درست ادراک حاصل کیے بغیر فتوے لگانے کو اپنا پیشہ سمجھتا ہے۔ شوہر کی شکایتوں کے جواب میں وہ اسے اس کی بیوی کے جہنمی اور سخت گنہگار ہونے کی وعید سناتا ہے۔ یہاں مولوی مذہبی سے زیادہ ثقافتی کردار کے طور پر سامنے آتا ہے، جو مذہبی احکامات کی اصلیت کو جانے بغیر شرعی احکامات نافذ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

متن سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کو اپنے مسائل کا زیادہ اچھی طرح ادراک ہے اور وہ اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ اس کی بیوی بہت پڑھی لکھی اور باسلیقہ ہے۔ وہ ایک اچھی ماں ہونے کے ساتھ ساتھ، اس کے والدین کی بھی فرمانبردار ہے۔ محض اس کے ساتھ اس کا رویہ اچھا نہیں ہے۔ چنانچہ اس مسئلے کا حل اسے خود اپنے سیاق و سباق کے اندر رہتے ہوئے ہی ڈھونڈنا چاہیے تھا لیکن وہ ایسا اس لیے نہیں کرتا کیونکہ اس نے مذہب کو دفاعی حکمت عملی کے طور پر استعمال کرنا ہے۔ اپنے عیوب کو چھپانے اور عورت پر مذہبی دباؤ ڈالنے کے لیے وہ مولوی صاحب سے فتوے لیتا ہے۔ مولوی صاحب بھی چونکہ پدر سری معاشرے کا نمائندہ کردار ہے اس لیے وہ بھی مرد کے حق میں ہی فیصلہ کرتا ہے۔ عورت کو ناقص العقل کہہ کر وہ اس کی معاشرتی مساوات کی ہی نفی کر دیتا ہے۔ جس سے عورت کے احساسات و جذبات یا اس کی مرضی کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ حشمت اللہ کے خط سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ”میں نے اس کے رویے پر بہت غور کیا ہے اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر اس کے مزاج و رویے میں کسی صورت بہتری نہیں آتی۔ یہ صورتحال میرے لیے از حد تکلیف دہ ہے اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں؟۔۔۔ مجھے وہ کیوں محبت و سلوک کا حقدار نہیں سمجھتی اور ایسی بیوی کے لیے کیا حکم ہے اور مجھے مشورہ دیجیے کہ میں خس حد تک جا کر سمجھا سکتا ہوں؟ کیا سختی کروں؟ خود سے الگ

> کرنے میں بھی خاندانی مسائل سے دوچار ہوتا ہوں۔ وہ میری بات کو کسی صورت سمجھنے کو تیار نہیں اس کے رویے سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتی اور مجھے سمجھنا ہی نہیں چاہتی مگر پھر اس کا دیگر افراد کے ساتھ رویہ مجھے الجھن میں ڈالتا ہے مجھے مشورہ دیجیے کہ میں اس صورتحال میں کیا کروں۔"(4)

صنفی مساوات کے تصور کو سامنے رکھا جائے تو عورت کے فرائض بھی مرد پر اسی طرح سے عائد ہیں جس طرح سے مرد کے فرائض عورت پر۔اس حوالے سے عورت کی مرضی، اس کی پسند وناپسند، اس کی ذہنی ونفسیاتی کیفیات، اس پر عائد کی گئی معاشرتی پابندیاں یہ سب بھی اتنی ہی اہم ہیں جتنا کہ مرد کے جذبات اور اس کی خواہشات کی اہمیت ہے۔

کہانی پدرسری معاشرے کی واضح طور پر عکاسی کرتی ہے۔ جہاں خواتین سے روایتی (گھریلو) کردار ادا کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ مولوی صاحب ایک ایسے سرپرست کے آرکی ٹائپ کی نمائندگی کرتے ہیں جو عورتوں کی غلامی پر یقین رکھتا ہے۔ ان کے اس طرح کے خیالات کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب وہ ایک خط کے جواب میں اسرار کرتے ہیں کہ خواتین کو اپنے گھروں کی حدود میں رہنا چاہیے اور گھریلو فرائض کو پورا کرنا چاہیے۔ ان تمام فرائض میں سے ایک بنیادی فرض یہ ہے کہ عورت مرد کے تابع رہے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ مولوی صاحب کے جوابی خط سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> "عورت میں ٹیڑھ پن پیدائشی و فطرتی ہے اور وہ ناقص العقل ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھ کر اپنی بیگم صاحبہ کو سمجھائیے اور ان کے باقی اوصاف کو مدِ نظر رکھ کر نرمی کی کوشش کیجیے اور جو وہ پھر بھی نہ سمجھیں تو آپ سختی بھی کر سکتے ہیں آپ کو ہر حکم بجالانا ان پر لازم وفرض ہے اور ایسی عورت کو چاہے وہ کتنے اوصاف کی مالک کیوں نہ ہو اگر اس کا شوہر اس سے راضی نہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کرلے۔"(5)

اس افسانے میں صنفی عدم مساوات کے محرکات مذہبی اور قانونی سے زیادہ ثقافتی ہیں۔ مرد مرکز ثقافت کی بنیاد ہی عورت سے غیر مساویانہ رویوں پر رکھی جاتی ہے اس لیے عورت کے تحفظ اور اس کے حقوق کی مساویانہ تقسیم کی توقع رکھنا بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ پدرسری معاشرے میں عورت کو کم فہم اور ناقص العقل تصور کرنے کا رویہ صدیوں پرانا ہے۔ یہ تصور کسی مذہبی یا سائنسی حقیقت پر مبنی نہیں، بلکہ مردانہ بالادستی کو برقرار رکھنے کے لیے پیدا کیے گئے خیالات کا نتیجہ ہے۔ ایسے معاشرے میں مرد کو فیصلہ سازی اور قیادت کا مرکز مانا جاتا ہے، جس کی وجہ سے عورت کو دانستہ طور پر ہر شعبۂ زندگی میں محدود کر دیا جاتا ہے۔ سیمیں کرن نے اپنے افسانے "مولوی کی ڈاک "میں اس تصور کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔"مولوی کی ڈاک "میں ایک مولوی صاحب کا کردار ہے جو اپنے مریدین کو خطوط کے جوابات دیتے ہیں جو کہ ان کے مریدین اپنے مسائل کے حل کے لیے انہیں بھیجتے ہیں۔ مولوی صاحب ایک مرد کو عورت سے متعلق لکھتے ہیں کہ عورت ناقص العقل ہے تو جواب میں اس مرد کی بیوی جس کا نام زینب ہے مولوی صاحب کو لکھتی ہیں:

> " کیا عورت مرد سے زیادہ صلاحیت، عقل و فہم اور تعلیم سے آراستہ ہو، دینی فہم میں بھی اس سے زیادہ ہو، کیا وہ تب بھی ناقص العقل ہے؟ اگر وہ بہر حال ناقص العقل ہے تو تاریخ میں بے شمار خواتین بشمول عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس وہ مرد حضرات بھی دینی فہم پانے کے لیے آتے تھے۔ کیوں آتے تھے بالفرض یہ مان لیا جائے کہ عورت ناقص العقل ہے تو کیا دنیا میں کوئی ایسی ناقص مشین ہے جس میں عمدہ ان پٹ ڈالا جائے اور عمدہ پروڈکشن حاصل کرلی جائے تو پھر مرد کی اپنی عقلی حیثیت مشکوک نہ ہو جائے گی"۔(6)

عورت کو کم فہم اور ناقص العقل سمجھنے کا رویہ سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ عورت اور مرد دونوں انسانی معاشرے کے اہم ستون ہیں اور ان کی ذہانت یا صلاحیت کسی جنس کی بنیاد پر محدود نہیں۔ عورت کو برابری کی بنیاد پر مواقع دے کر معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جا سکتا ہے۔ تاہم رجعت پسندانہ سوچ جس کی عکاسی اس افسانے میں بھی کی گئی ہے اس ہدف کے حصول میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اسی حوالے سے فوزیہ وقار لکھتی ہیں:

> ”عورتوں کے خلاف تشدد کی بلند شرح، بشمول کام کرنے کی جگہوں پر ہراسانی، کی وجہ سے عورتیں اپنے تحفظ کی خاطر کام کرنے سے کتراتی ہیں، خاص طور پر اگر انہیں دور دراز کا سفر کرنا ہو۔ حکومت نے عورتوں کے تحفظ کے لیے اقدامات تو کیے ہیں، لیکن معاشرے کی رجعت پسند سوچ کی وجہ سے عورتوں کو طاقت بخشنے کے اہداف پورے نہیں ہو رہے۔“(7)

صنفی مساوات کے اہداف میں پہلا ہدف عدم مساوات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کو ختم کیا جائے۔ کہانی کے تناظر میں دیکھا جائے تو مولوی صاحب صنفی امتیاز کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اس لیے انھوں نے خط کا جواب تو لکھا ہے لیکن وہ سارا خط پدرسری سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ مولوی صاحب نے دوسری طرف کا موقف جاننے کی کوشش ہی نہیں کی اور فیصلہ سنا دیا ہے۔ اگر اس افسانے کا تناظر الٹ دیا جائے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ پہلا خط اس عورت نے لکھا ہوتا اور اس میں اس نے اپنے مسائل بیان کیے ہوتے تو ایسی صورت میں مولوی صاحب کا رویہ کیا بالکل متضاد نہ ہوتا؟

دوسرا ہدف تعلیم کا حصول اور خواتین کو بااختیار بنانا ہے۔ بااختیار بننے کے لیے خواتین کا تعلیم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر صنفی مساوات کو قائم کرنا ہے تو اس کی پہلی بنیاد تعلیم ہے۔ جو کہ صنف اور اس سے جڑے حقوق سے متعلق آگہی پیدا کرتی ہے۔ اس افسانے میں عورت کا ایک ہی کردار ہے اور وہ بھی غائب کردار ہے۔ یہ عورت پڑھی لکھی ہے اس لیے اس کے خطوط میں مذہبی، سیاسی اور سماجی حوالے ملتے ہیں۔ یعنی تعلیم یافتہ عورت اظہارِ رائے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس پہلو سے یہ افسانہ عورتوں کی تعلیم کے بارے میں آگہی کو بڑھانے اور تمام خواتین تک تعلیم کی مساوی رسائی کو یقینی بناتا ہے۔ کیونکہ تعلیم عدم انصاف پر مبنی اصولوں کو چیلنج کرنے میں ایک کلیدی محرک ہے۔

صنفی عدم مساوات کی راہ میں بڑی رکاوٹ سماجی طور پر دقیانوسی تصورات ہیں جن کی مخالفت اور ان کو توڑنا انفرادی کردار کے لیے نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ ان دقیانوسی تصوات میں سے ایک یہ ہے کہ عورت جسمانی اور ذہنی دونوں اعتبار سے کمزور ہے اور مرد کے مقابلے میں کم فہم ہے۔ اس لیے اسے بہادری اور سخت کوشی کا اہل نہیں سمجھا جاتا۔ یہ موقف اس افسانے میں اس طرح سے پیش کیا گیا ہے:

> ”صرف میں کیوں اپنی کسی خامی کی وجہ سے تیرے اس معاشرے میں مصلوب ہوں، کیا مرد کو تو نے بے عیب پیدا کیا تھا؟ کیا تو نے مجھے شودروں کی طرح اپنے پاؤں سے جنم دیا تھا اور مرد کو اپنے سر سے؟۔“(8)

یہ افسانہ ان صنفی دقیانوسی تصورات کو چیلنج کرتا ہے اور خواتین کو معاشرتی طور پر ایسے فعال کردار کے طور پر پیش کرتا ہے جو معاشرے کی اصلاح اور ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اس افسانے میں خواتین کو گھریلو ذمہ داریوں تک محدود رکھنے کے دقیانوسی تصور کی بھی تردید ہوتی ہے۔ عورتوں کے متعلق ایک عمومی سوچ یہ ہے کہ خواتین صرف گھریلو ذمہ داریوں کے لیے ہی موزوں ہیں۔ تاہم اس افسانے میں خواتین کے معاشرتی کردار کو اجاگر کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ لہذا یہ افسانہ ایس ڈی جی-5 کے ہدف بلا معاوضہ دیکھ بھال اور گھریلو کام کو پہچاننے کے نقطہ نظر کی بھی حمایت کرتا ہے۔

صنفی مساوات کا ایک اور اہم ہدف خواتین کے لیے فیصلہ سازی کی تمام سطحوں پر مکمل اور موثر شرکت کو یقینی بنانا ہے۔اس افسانے میں جتنے بھی خطوط بیان ہوئے ہیں ان میں عورت کو فیصلہ سازی کا حق نہیں دیا گیا۔یہیں سے معاشرتی عدم مساوات جنم لیتی ہے۔چنانچہ اس افسانے میں عورت کی فیصلہ سازی سے محرومی کے خلاف ایک مزاحمت نظر آتی ہے۔یہ افسانہ عورتوں کی مساویانہ کاوشوں،ان کی اپنے حقوق کے دفاع کے لیے جدوجہد اوران کے لیے تعلیم اور ملازمت کے یکساں مواقع کی فراہمی کے بیانیے کو اجاگر کرتا ہے۔

اس افسانے میں جن مسائل کو نشان زد کیا گیا ہے،یہ جدید تانیثی تحریکوں میں اٹھائے جانے والے سوالات کو سامنے لاتے ہیں۔اس ضمن میں metoo اور time s up جیسی صنفی یا تانیثی تحریکوں کا سوشل میڈیائی کردار اہم ہے جو صنفی بنیاد پر تشدد،امتیازی سلوک،طبقاتی اور معاشی جبر کو ختم کرنے کی کوششوں کا احاطہ کرتی ہیں۔یہ تحریکیں عورتوں کی آزادی پر زور دیتی ہیں،اسی طرح جیسے افسانے میں خطوط کے ذریعے پدر سری اصولوں کو چیلنج کیا گیا ہے۔افسانہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ کس طرح پدرانہ نظام عورت کو محض ایک ثانوی کردار تک محدود رکھتا ہے،جہاں اس کی شناخت اور خواہشات کو اہمیت نہیں دی جاتی۔یہ افسانہ عورت کی جدوجہد اور اس کے دبے ہوئے خیالات کی نمائندگی کرتا ہے،جو نسوانی شعور کی بیداری کی علامت ہیں۔ تبسم فاطمہ ، سمیں کرن کے افسانوں میں حقوقِ نسواں کی پیش کش کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> "وہ زبردستی اپنی کہانیوں میں بااختیار خواتین یا حقوق نسواں کی وکالت نہیں کرتی۔وہ کرب سے گزرتی ہے اس لیے اس کے کردار زندگی کی کشمکش اور الجھنوں کے درمیان روح سے رابطہ رکھتے ہیں۔"(9)

مزید براں تعلیم اور بااختیار بنانے پر کہانی ملالہ یوسف زئی کی تعلیم کی حمایت جیسے اقدامات کی حمایت کرتی ہے۔ملالہ یوسف زئی دنیا بھر میں خواتین کی تعلیم کی علمبردار ہیں۔انہوں نے بچیوں کی تعلیم کے حق میں آواز اٹھائی اور ان کی اس کوشش کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا۔ملالہ نے "ملالہ فنڈ" قائم کیا جس کا مقصد دنیا بھر میں لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔ان کی کوششوں کی بدولت کئی ممالک میں تعلیمی پروگرامز شروع کیے گئے ہیں،تاکہ لڑکیوں کو اسکول واپس لایا جا سکے اور تعلیمی مواقع فراہم کیے جا سکیں۔ملالہ یوسف زئی کی جدوجہد نہ صرف خواتین کی تعلیم بلکہ صنفی مساوات کے لیے بھی ہے، جس کا مقصد ایک ایسا معاشرہ بنانا ہے جہاں ہر بچی کو پڑھنے اور ترقی کرنے کا حق حاصل ہو۔

ادب چونکہ سماج کا عکاس ہوتا ہے اس لیے سماجی مطالعات میں ادبی متون کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔صنفی مساوات کو قائم کرنے کے لیے ہر سطح پر سنجیدہ کوششوں کی ضرورت ہے جس میں ادب بھی شامل ہے۔کیونکہ صنفی مساوات سے متعلق پیش رفت کی یو این وومین رپورٹ پریشان کن ہے۔ملاحظہ ہو:

> "Women's and girls' rights are facing unprecedented growing threats worldwide, from higher levels of discrimination to weaker legal protections, and less funding for programmes and institutions that support and protect women." (10)

مولوی صاحب کی ڈاک ایک طاقتور بیانیے کا حامل افسانہ ہے،جو معاشرے میں پائی جانے والی صنفی عدم مساوات اور تعلیم کے ذریعے بیداری اور تبدیلی کی صلاحیت پر روشنی ڈالتا ہے۔پائیدار ترقی کے ہدف-5 کے تناظر میں اس افسانے کا جائزہ لے کر ہم پدر سری اصولوں کو چیلنج کرنے، تعلیم کو فروغ دینے اور صنفی مساوات کے حصول کے لیے خواتین کو بااختیار بنانے کی کوششوں کو سمجھ سکتے ہیں۔یہ کہانی اس اہمیت کو اجاگر کرتی ہے کہ ایس ڈی جی 5 کے حصول کے لیے امتیازی سلوک کو ختم کرنے،اور ایک جامع معاشرے کی تشکیل کے لیے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے جہاں خواتین بغیر کسی خوف اور دباؤ کے ترقی کر سکیں۔

حوالہ جات

1۔مشرف عالم ذوقی،فلیپ۔بات کہی نہیں گئی، مثال پبلشرز،فیصل آباد،2017ء

2۔محمد عمر مونس، سیمیں کرن کے افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ، مشمولہ، ترجیحات آن لائن اردو ریسرچ جرنل، جلد دوم، شمارہ 10، اکتوبر 2022

3۔ سیمیں کرن، شجر ممنوعہ کے تین پتے، فیصل آباد، زرنگار فاونڈیشن، 2015ء، ص40

4۔ سیمیں کرن، شجر ممنوعہ کے تین پتے، فیصل آباد، زرنگار فاونڈیشن، 2015ء، ص41

5۔ سیمیں کرن، شجر ممنوعہ کے تین پتے، فیصل آباد، زرنگار فاونڈیشن، 2015ء، ص39

6۔ سیمیں کرن، شجر ممنوعہ کے تین پتے، فیصل آباد، زرنگار فاونڈیشن، 2015ء، ص80

7۔فوزیہ وقار، پاکستان میں صنفی مساوات، کیا ہم نے منزل پالی ہے، مشمولہ، بی بی سی اردو، آن لائن،14 دسمبر 2016ء

8۔ سیمیں کرن، شجر ممنوعہ کے تین پتے، فیصل آباد، زرنگار فاونڈیشن، 2015ء، ص38

9۔ تبسم فاطمہ، مربعوں کی دائرہ کہانی (لاہور: فکشن ہاؤس، 2020ء) ص175-176

10۔ UN Women, Press Release, March 06, 2025, unwomen.org